حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ
(ذات النطاقین)

(۱)

جس رات کو سرورِ کائنات ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہم راہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے غارِ ثور میں تشریف فرما ہوئے، مشرکین نافرجام ساری رات کاشانۂ نبوّت کے گرد گھیرا ڈال کر اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ حضورؐ کب باہر تشریف لائیں اور وہ اپنا ناپاک منصوبہ پورا کریں۔ لیکن ان بدبختوں کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ نے رات کو ان کی آنکھیں پٹم کر دی تھیں اور سرورِ کونین ﷺ سورۂ یاسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل کر مکہ معظمہ کو الوداع کہہ چکے تھے۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور انھوں نے حضورؐ کے بسترِ اقدس پر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو استراحت فرما دیکھا تو سر پیٹ کر رہ گئے۔ ساری بات ان کی سمجھ میں آ گئی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ ان کا سرخیل ابوجہل اپنے منصوبے کی ناکامی پر غم و غصہ سے دیوانہ ہو گیا اور سیدھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچ کر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا اندر سے ایک نوجوان خاتون باہر آئیں۔

ابوجہل نے کڑک کر پوچھا۔ ''لڑکی تیرا باپ کدھر ہے؟

خاتون نے جواب دیا۔ ''میں کیا بتا سکتی ہوں۔''

یہ سن کر ابوجہل نے خاتون کے چہرے پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا پڑی۔ مظلوم خاتون بڑے صبر اور خاموشی کے ساتھ گھر کے اندر چلی گئیں اور ابوجہل بکتا جھکتا وہاں سے دفع ہو گیا۔

یہ خاتون جنھوں نے فرعونِ قریش ابوجہل کے قہر وغضب کی مطلق پروانہ کی اور ہجرت کے پرخطر راز کو اپنے نہاں خانۂ دل میں محفوظ رکھا۔ سید المرسلین ﷺ کے یارِ غار صدیق اکبرؓ کی بڑی صاحب زادی حضرت اسماءؓ تھیں۔

(۲)

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ (بن ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی) کا شمار نہایت بلند رتبہ صحابیات میں ہوتا ہے۔ والدہ کا نام قتیلہ بنت عبدالعزیٰ تھا، نانا عبدالعزیٰ قریش کے نامور رئیس تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت اسماءؓ کی سوتیلی بہن تھیں اور ان سے عمر میں چھوٹی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ حضرت اسماءؓ کے حقیقی بھائی تھے۔

حضرت اسماءؓ ہجرتِ نبوی سے ستائیس سال قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ والدِ ماجد حضرت ابوبکر صدیقؓ روز اوّل سے ہی نہایت اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ اوصاف کے حامل تھے ظاہر ہے کہ ایسے پاک باز اور فرشتہ سیرت باپ کے زیرِ سایہ ان کی تربیت کیسی ہوئی ہوگی۔

قبولِ اسلام کے لحاظ سے بھی حضرت اسماءؓ کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے، وہ اوائلِ بعثت میں اس وقت سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں جب صرف سترہ نفوسِ قدسی مخفی طور پر ایمان لائے تھے۔ اس طرح السابقون الاوّلون کی صف میں ان کا اٹھارہواں نمبر ہے۔

حضرت اسماءؓ کا نکاح حواریِ رسولؐ حضرت زبیر بن العوامؓ سے ہوا، جو اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ وہ سرورِ عالم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

بعثت کے چوتھے سال کے اوائل میں رحمتِ عالم ﷺ نے علانیہ تبلیغِ حق کا آغاز فرمایا تو مشرکینِ قریش کے قہر وغضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور انھوں نے پرستارانِ حق پر ایسے دل دوز مظالم ڈھانے شروع کر دیے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ حضرت اسماءؓ نے ایسے کئی مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مسندِ ابویعلیٰ میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت اسماءؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کفار کے ہاتھوں جو تکالیف پہنچیں آپ

نے ان میں سے کون سی تکلیف زیادہ سخت دیکھی۔ حضرت اسماءؓ نے بیان کیا:

''ایک دن بہت سے مشرکین مسجدِ حرام میں بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ محمدؐ نے ہمارے معبودوں کو یہ اور یہ کہا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ تمام مشرکین حضورؐ پر جھپٹ پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ تک ان کے شور وغوغا کی آواز پہنچی۔ اس وقت وہ گھر میں ہمارے پاس بیٹھے تھے کسی نے آکر بتایا کہ قریش محمدؐ کے قتل پر آمادہ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ مسجدِ حرام کی طرف بھاگ کر گئے۔ اس وقت ان کے سر پر چار زلفیں تھیں اور وہ کفار سے کہہ رہے تھے، تمھارا ناس جائے کیا تم اس آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمھارے پاس اپنے رب کی جانب سے واضح دلائل لے کر آیا ہے، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے، اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب انھیں اٹھا کر گھر لائے تو زخموں کی وجہ سے ان کی یہ حالت تھی کہ ہم سر کی جس مینڈھی کو ہاتھ لگاتے تھے بال جھڑ جاتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کہہ رہے تھے تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام۔''

اپنے آقا ومولاؐ، شفیق والدِ گرامی اور دوسرے اہلِ حق پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھ کر حضرت اسماءؓ کے دل پر جو گزرتی ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تاہم وہ نہایت صبر واستقامت کے ساتھ یہ روحانی کلفت سہتی رہیں تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

(۳)

سفرِ ہجرت میں حضرت اسماءؓ کے پدرِ گرامی کو ''رفاقتِ خیر البشرؐ'' کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ شبِ ہجرت کو حضورؐ نے اپنے بسترِ مبارک پر اپنے جاں نثار ابنِ عم حضرت علی مرتضیٰؓ کو سلایا اور خود سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے دشمنوں کے درمیان سے گزر کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے ایسا غافل کیا کہ انھیں خبر ہی نہ ہوئی کہ حضورؐ کب اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ مل کر فوراً سامانِ سفر درست کیا، حضرت اسماءؓ نے دو تین دن کا کھانا

تیار کر رکھا تھا۔ اسے ایک تھیلے میں ڈالا اور ایک مشکیزے میں پانی ڈالا۔ اتفاق سے تھیلے اور مشکیزے کا منہ باندھنے کے لیے گھر میں کوئی رسی موجود نہ تھی اور وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، حضرت اسماءؓ نے فوراً اپنا کمر بند (نطاق) کھول کر اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے کھانے کے تھیلے کا منہ باندھا اور دوسرے سے مشکیزے کا۔ رحمتِ عالم ﷺ حضرت اسماءؓ کی اس خدمت سے بہت خوش ہوئے اور انھیں ''ذات النطاقین'' کا لقب عطا فرمایا۔

بعض روایتوں میں اس واقعے کو ایک دوسری صورت میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ شبِ ہجرت میں حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں مکے سے نکل کر غارِ ثور میں نزولِ اجلال فرمایا۔ حضرت اسماءؓ اس راز سے آگاہ تھیں وہ روزانہ رات کو اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کے ساتھ خفیہ طور پر غارِ ثور میں تشریف لے جاتیں اور حضورؐ اور اپنے والدِ ماجد کو تازہ کھانا کھلا کر واپس آتیں۔ تیسری رات کے آخری حصے میں عبداللہ بن اریقط[1] جسے راہ نمائی کے لیے مقرر کیا گیا تھا، حسبِ ہدایت دو اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پر پہنچ گیا۔ اسی وقت حضرت اسماءؓ بھی ایک تھیلے میں کھانا ڈال کر آ پہنچیں۔ جلدی میں گھر سے چلتے وقت اس کو باندھنے کے لیے کوئی چیز ساتھ لانے کا خیال نہ رہا۔ چناں چہ انھوں نے اپنا نطاق (وہ رومال یا کپڑا جو اس زمانے میں عورتیں قمیص کے اوپر کمر پر لپیٹتی تھیں) کھول کر اسے پھاڑا۔ ایک حصے سے زادِ راہ کے تھیلے کا منہ باندھ کر ایک اونٹنی کے کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور دوسرا حصہ اپنی کمر پر لپیٹ لیا اسی لیے انھیں ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ کا اپنا بیان یہ ہے کہ جب توشہ دان کو باندھنے کے لیے اور کوئی چیز نہ ملی تو میرے والد نے مجھے اپنا نطاق پھاڑنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے میرا نام ذات النطاقین رکھا گیا۔

بعض روایتوں میں ان کا لقب ذات النطاق بھی بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری (باب الہجرۃ) میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ اسماءؓ نے اپنے نطاق کا ایک ٹکڑا پھاڑا اور اس کو

(۱) عبداللہ بن اریقط کا تعلق بنی الدِّیل سے تھا۔ وہ اگرچہ غیر مسلم تھا لیکن نہایت قابلِ اعتماد شخص تھا۔ جب کسی سے کوئی معاملہ طے کر لیتا تھا تو اس کو جان پر کھیل کر نباہتا تھا۔ عرب کے مختلف راستوں سے اس کو کمال درجے کی واقفیت تھی اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو اجرت پر رہ نمائی کے لیے مقرر کیا تھا اور دو اونٹنیاں اس ہدایت کے ساتھ اس کے سپرد کی تھیں کہ جس وقت اور جس جگہ تمھیں ہم بلائیں نہایت رازداری کے ساتھ اونٹنیاں لے کر وہاں پہنچ جانا۔

تھیلی کے منہ پر لپیٹا، اسی لیے ان کا نام ''ذات النطاق'' پڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابنِ زبیرؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ان کی ماں ذات النطاق ہیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت اسماءؓ کو ''ذات النطاقین'' بھی کہتے تھے اور ''ذات النطاق'' بھی۔

واقعے کی صورت خواہ کچھ بھی ہو، اس خدمت کی بہ دولت حضرت اسماءؓ کو بارگاہِ رسالتؐ سے جو لقب مرحمت ہوا، وہ آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود زندہ ہے اور تا ابد زندہ رہ کر ان کے عز و شرف پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا رہے گا۔

شبِ ہجرت کی صبح کو وہ واقعہ پیش آیا، جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ جب ابوجہل بکتا جھکتا چلا گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نابینا والد ابی قحافہ (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) حضرت اسماءؓ سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''بیٹی ابوبکر نے تمھیں دوہری مصیبت میں ڈالا ہے۔ خود بھی چلا گیا اور سارا مال بھی ساتھ لے گیا۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ واقعی گھر میں رکھا ہوا سارا روپیہ ساتھ لے گئے تھے لیکن حضرت اسماءؓ نے ضعیف العمر اور نابینا دادا کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا اور جواب دیا:

''نہیں دادا جان انھوں نے خیر کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے۔''

پھر انھوں نے ایک کپڑے میں کچھ پتھر ڈالے اور اس گڑھے یا طاق میں رکھ دیے جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ ابوقحافہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئیں اور کہا:

''دادا جان آپ ہاتھ لگا کر دیکھ لیں، یہ کیا رکھا ہے۔''

ابوقحافہ نے اس کپڑے کی پوٹلی پر ہاتھ رکھا تو مطمئن ہو گئے اور بولے:

''ابوبکر نے اچھا کیا، تمھارے لیے کافی انتظام کر گیا۔''

(۴)

ہجرت کے بعد رحمتِ عالم ﷺ نے چند دن قباء میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ منوّرہ کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ چند ماہ بعد حضورؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابورافعؓ کو مکے بھیجا کہ وہ آپؐ کے اہلِ خانہ اور متعلقین کو مدینہ لے آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اریقط کو اپنے صاحب زادے عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنی والدہ (ام رومانؓ) اور بہنوں کو مدینہ لے آئیں۔ چناں چہ حضرت زیدؓ اور حضرت ابو رافعؓ، ام المؤمنین حضرت سودہؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت ام ایمنؓ (زوجہ حضرت زیدؓ) اور اسامہ بن زیدؓ کو لے آئے اور حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ حضرت ام رومانؓ، حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ پہنچے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماءؓ نے چند دن بعد اپنے شوہر حضرت زبیر بن العوامؓ اور خوش دامن حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلب کے ساتھ ہجرت کی اور قباء میں قیام کیا لیکن جمہور اربابِ سِیَر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے حضرت زبیرؓ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے تھے۔ حضورؐ کے سفرِ ہجرت کے دوران وہ شام سے پلٹ رہے تھے۔ راستے میں کسی جگہ رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے حضورؐ اور حضرت ابو بکرؓ (اپنے خسر) کی خدمت میں کچھ سفید کپڑے تحفۃً پیش کیے اور آپ یہی کپڑے زیبِ تن فرما کر مدینہ منوّرہ میں داخل ہوئے۔ مکہ واپس پہنچ کر حضرت زبیرؓ نے بھی ہجرت کی تیاری کی اور اپنی والدہ حضرت صفیہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ آگئے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے قباء میں مستقل اقامت اختیار کی اور وہیں حضرت اسماءؓ کو بھی (خاص مدینہ منوّرہ شہر سے) بلا لیا۔

ہجرت کے بعد اتفاق سے عرصے تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ اس پر یہودِ مدینہ نے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور اُن کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ یہی دن تھے کہ ۱ ہجری میں حضرت اسماءؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ گویا ہجرت کے بعد وہ مسلمانوں کے نومولودِ اوّل تھے۔(۱) مسلمانوں کو حضرت عبداللہؓ کی ولادت پر بے حد مسرت ہوئی اور انھوں نے فرطِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ یہودی سخت شرمندہ ہوئے کیوں کہ ان کے دجل و تلبیس کا پردہ چاک ہو گیا۔

(۱) بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا سالِ ولادت ۲ ہجری بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت سے چھ ماہ پہلے حضرت بشیر بن سعد انصاریؓ کے ہاں حضرت نعمان بن بشیرؓ پیدا ہوئے تھے اگر یہ روایت درست ہے تو پھر بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مہاجرین کے نومولودِ اوّل ٹھہرتے ہیں۔

حضرت اسماءؓ بچے (عبداللہؓ) کو گود میں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے بچے کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا، ایک کھجور اپنے دہنِ مبارک میں ڈال کر چبائی اور پھر اسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا کر ننھے عبداللہ کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضورؐ نے بچے کے لیے دعائے خیر و برکت مانگی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے انھی بھانجے کے نام پر اپنی کنیت "ام عبداللہ" رکھی تھی۔

(۵)

مدینہ منوّرہ (قباء) میں اقامت گزین ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ نے پہلے چند سال بڑی تنگی ترشی سے بسر کیے۔ اس زمانے میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ بہت مفلس اور تنگ دست تھے اور ان کی ساری متاع لے دے کر ایک گھوڑے اور ایک اونٹ پر مشتمل تھی۔ حضورؐ نے انھیں نخلستانِ بنونضیر میں کچھ زمین بہ طور جاگیر عطا فرمائی تھی۔ چناں چہ شروع شروع میں وہ اس میں کاشت کر کے اپنی معاش کا سامان پیدا کرتے تھے۔ یہ زمین مدینہ منوّرہ سے تین فرسخ دور تھی۔ حضرت اسماءؓ روزانہ وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں جمع کر کے لاتیں، انھیں کوٹ کر اونٹ کو کھلاتیں، گھوڑے کے لیے گھاس مہیّا کرتیں، پانی بھرتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں۔ ان کاموں کے علاوہ گھر کا دوسرا سب کام بھی خود ہی انجام دیتی تھیں۔ روٹی اچھی طرح نہ پکا سکتی تھیں۔ پڑوس میں چند انصاری خواتین تھیں وہ از راہِ محبت و اخلاص ان کی روٹیاں پکا دیتی تھیں۔ صحیح بخاری میں خود حضرت اسماءؓ سے روایت ہے:

> "زبیرؓ نے مجھ سے نکاح کیا، اس وقت نہ تو ان کے پاس زمین تھی نہ غلام، نہ کچھ اور سوائے ایک اونٹ اور ایک گھوڑے کے۔ میں ان کے گھوڑے کو دانہ کھلاتی تھی، پانی بھرتی تھی، ڈول سیتی تھی، آٹا گوندھتی تھی۔ انصار کی چند عورتیں جو میری ہم سایہ تھیں، روٹی پکا دیتی تھیں۔ وہ عورتیں مخلص تھیں۔ میں زبیرؓ کی زمین سے، جو انھیں رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی، سر پر گٹھلیاں رکھ کر لاتی تھی۔ یہ زمین میرے گھر سے تین فرسخ کی مسافت پر تھی۔"

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اور طبرانیؒ نے حضرت اسماءؓ کی تنگ دستی کے زمانے کا ایک دل چسپ واقعہ بیان کیا ہے، جو خود حضرت اسماءؓ کی زبانی مذکور ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ "—— ایک مرتبہ میں اس

زمین میں تھی، جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت زبیرؓ کو عطا فرمائی تھی یہ بنونضیر والی زمین کہلاتی تھی۔ ایک دن زبیرؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کہیں باہر گئے۔ ہمارا ایک یہودی پڑوسی تھا، اس نے ایک بکری ذبح کی اور بھونی۔ اس کی خوش بو جب میری ناک میں پہنچی تو مجھے ایسی سخت اشتہا پیدا ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ان دنوں میری بیٹی خدیجہ پیدا ہونے والی تھی، مجھ سے صبر نہ ہوسکا، میں یہودی عورت کے پاس آگ لینے کے لیے گئی اس ارادے سے کہ شاید وہ مجھ سے کھانے کی بات پوچھے ورنہ مجھے آگ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہاں پہنچ کر خوش بو سے میری اشتہا میں اور اضافہ ہوگیا لیکن یہودیہ نے کھانے کی بات ہی نہ کی۔ میں آگ لے کر اپنے گھر آگئی اور کچھ دیر بعد پھر یہودیہ کے گھر گئی پھر بھی اس نے کھانے کی بات نہ کی۔ تیسری مرتبہ میں نے پھر اس کے گھر پھیرا ڈالا لیکن کسی نے بات نہ پوچھی۔ اب میں اپنے گھر میں بیٹھ کر رونے لگی اور اللہ سے دعا کی کہ الٰہی میری اشتہا کا سامان مہیا کردے۔ اتنے میں اس یہودیہ کا شوہر اپنے گھر آیا اور آتے ہی پوچھا، کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا؟ یہودیہ نے کہا، ہاں پڑوس کی عرب عورت آئی تھی۔ یہودی نے کہا، جب تک اس گوشت میں سے تو اس کے پاس کچھ نہ بھیجے گی میں ہرگز اس کو نہ کھاؤں گا (کیوں کہ اس کو ڈر تھا کہ کہیں کھانے کو نظر نہ لگ گئی ہو) چناں چہ اس نے میرے پاس گوشت کا ایک پیالہ بھیج دیا۔ (اس زمانے میں) میرے لیے اس جگہ اس سے زیادہ پسندیدہ اور عجیب کوئی کھانا نہ تھا۔"

یہ روایت حضرت اسماءؓ کی صاف گوئی پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی عسرت اور ایک بشری کم زوری کا حال صاف صاف بیان کردیا ہے۔

اسی زمانے میں ایک دن حضرت اسماءؓ کھجور کی گٹھلیوں کا گٹھا سر پر لادے چلی آرہی تھیں کہ راستے میں رسولِ کریم ﷺ کچھ اصحاب کے ہم راہ مل گئے۔ حضورؐ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور چاہا کہ اسماءؓ اس پر سوار ہوجائیں لیکن حضرت اسماءؓ شرم کی وجہ سے اونٹ پر نہ بیٹھیں اور گھر پہنچ کر حضرت زبیرؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا۔ "سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہ آئی لیکن رسول اللہ (ﷺ) کے اونٹ پر بیٹھنے میں، شرم وحیا مانع ہوئی۔"

کچھ عرصے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زبیرؓ اور اسماءؓ کو ایک غلام عطا کیا، جس نے گھوڑے اور اونٹ کی نگہداشت سنبھال لی اور حضرت اسماءؓ کی مصیبت کم ہوئی۔

شروع شروع میں حضرت اسماءؓ افلاس کی وجہ سے ہر چیز ناپ تول کر خرچ کیا کرتی تھیں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا:

"اسماءؓ ناپ تول کر مت خرچ کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی نپی تلی روزی دے گا۔"

حضرت اسماءؓ نے حضورؐ کے ارشاد کو حرزِ جان بنالیا اور کھلے دل سے خرچ کرنے لگیں۔ خدا کی قدرت اسی وقت سے حضرت زبیرؓ کی آمدنی بڑھنے لگی اور تھوڑی ہی مدت میں ان کے گھر میں دولت کی ریل پیل ہوگئی۔

آسودہ حالی کے بعد بھی حضرت اسماءؓ نے اپنی سادہ وضع ترک نہ کی ہمیشہ روکھی سوکھی روٹی سے شکم پری کرتیں اور موٹا جھوٹا کپڑا پہنتیں، البتہ اپنی دولت کو خیر خیرات کے کاموں میں بے دریغ صرف کرتی تھیں۔ جب کبھی بیمار ہوتیں تمام غلاموں کو آزاد کردیتیں۔ اپنے بچوں کو ہمیشہ ہدایت کیا کرتی تھیں کہ مال جمع کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ حاجت مندوں کی امداد کے لیے ہوتا ہے۔ اگر تم بخل کروگے تو اللہ بھی تمھیں اپنے فضل وکرم سے محروم رکھے گا ہاں جو صدقہ کروگے اور راہِ خدا میں خرچ کروگے، وہ تمھارے کام آئے گا کہ اس ذخیرہ کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنی سادہ اور درویشانہ وضع آخر دم تک برقرار رکھی۔ علامہ ابنِ سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے کہ ان کی زندگی کے آخری دور میں ان کے صاحب زادے منذر بن زبیرؓ عراق کی فتح کے بعد لڑائی کے میدان سے واپس آئے تو ان کے مالِ غنیمت کے حصے میں کچھ قیمتی زنانہ کپڑے بھی تھے۔ انھیں لے کر اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت اسماءؓ نے یہ کپڑے قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا۔ "بیٹا مجھے تو موٹا کپڑا پسند ہے۔" چناں چہ منذرؓ ان کے لیے موٹے کپڑے لائے، جو انھوں نے خوشی سے قبول کرلیے اور فرمایا:

"بیٹا مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کرو۔"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا ـــــ ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ عائشہؓ اور والدہ اسماءؓ سے زیادہ سخی اور کریم النفس کسی کو نہیں دیکھا۔ فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتی تھیں جب کچھ رقم جمع ہوجاتی تھی تو سب کی سب راہِ خدا میں لٹادیتی تھیں اور حضرت اسماءؓ جو کچھ پاتی تھیں اسی

وقت تقسیم کر دیتی تھیں۔ حضرت اسماءؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ترکے میں ایک جائداد پائی تھی۔ اس کو انھوں نے ایک لاکھ درہم پر فروخت کر دیا اور ساری رقم قاسم بن محمدؒ اور ابن ابی عتیقؒ کو (جو ان کے قرابت دار تھے) دے دی کیوں کہ وہ حاجت مند تھے۔ (یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات کے بعد کا ہے)

باوجود کشادہ دستی اور فیاضی کے حضرت اسماءؓ اپنے شوہر کے گھر بار کی حفاظت انتہائی دیانت داری سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت زبیرؓ کی غیر حاضری میں سوداگر آیا اور ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر التجا کی کہ اپنے گھر کی دیوار کے سایے میں مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجیے۔ بولیں:

"اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کر دیں تو بڑی مشکل بن جائے گی۔ تم زبیرؓ کی موجودگی میں آ کر اجازت طلب کرنا۔"

حضرت زبیرؓ گھر تشریف لائے تو سوداگر پھر آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر درخواست کی:

"امِ عبداللہ میں مسکین آدمی ہوں۔ آپ کی دیوار کے سائے میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں، اجازت مرحمت فرمائیں۔"

بولیں: "میرے گھر کے سوا تمھیں مدینہ میں اور کوئی گھر نہ ملا؟"

حضرت زبیرؓ نے فرمایا "تمھارا کیا بگڑتا ہے، جو ایک مسکین کو بیع وشرا سے روکتی ہو۔"

حضرت اسماءؓ نے اسے فوراً اجازت دے دی کیوں کہ ان کا دلی منشاء بھی یہی تھا۔

حضرت اسماءؓ کا دستِ سخاوت بے حد کشادہ تھا لیکن حضرت زبیرؓ کے مزاج میں ذرا سختی تھی۔ حضرت اسماءؓ نے ایک دن سرورِ عالم ﷺ سے پوچھا:

"یارسول اللہ کیا میں شوہر کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر یتیموں مسکینوں کو کچھ دے سکتی ہوں؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں دے سکتی ہو۔"

ایک مرتبہ رحمتِ عالم ﷺ نے مسلمانوں کو اللہ کی رہ میں زیادہ سے زیادہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ارشادِ نبویؐ کی تعمیل کی۔ صحابیاتؓ نے اپنے زیور تک اتار کر دے دیے۔ حضرت اسماءؓ کے پاس ایک لونڈی تھی، انھوں

نے اسے فروخت کر دیا اور روپیہ لے کر بیٹھ گئیں۔ جب حضرت زبیرؓ گھر تشریف لائے تو انھوں نے حضرت اسماءؓ سے وہ روپیہ مانگا۔ انھوں نے فرمایا، "میں نے صدقہ کر دیا ہے۔"

حضرت زبیرؓ خاموش ہو گئے کیوں کہ اللہ اور رسولؐ کی خوش نودی کے وہ بھی طالب تھے۔

(۶)

حضرت اسماءؓ نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھیں لیکن ان کی والدہ قتیلہ بنتِ عبدالعزیٰ شرفِ اسلام سے بہرہ یاب نہ ہوئیں اسی لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو ہجرت سے پہلے طلاق دے دی تھی۔ (ایک روایت کے مطابق طلاق کے بعد انھوں نے کسی دوسرے شخص سے شادی کر لی تھی)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ قتیلہ مدینہ منورہ آئیں اور حضرت اسماءؓ سے کچھ روپے مانگے۔ حضرت اسماءؓ ان کی مدد کرنا چاہتی تھیں لیکن ان کے شرک کی وجہ سے روپے دینے میں متامل ہوئیں اور رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ میری والدہ مشرک ہیں اور وہ مجھ سے روپے مانگتی ہیں، کیا میں ان کی امداد کر سکتی ہوں اور ان کے سوال کو پورا کر سکتی ہوں؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں" (یعنی اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو)

ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ صلۂ رحمی سے نہیں روکتا۔"

طبقات ابنِ سعد اور مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت اسماءؓ کی والدہ قتیلہ ان کے لیے کچھ تحائف لے کر ملنے آئیں، حضرت اسماءؓ کی غیرتِ دینی نے گوارا نہ کیا کہ اپنی مشرک ماں کے تحائف قبول کریں یا انھیں اپنے مکان میں ٹھہرائیں۔ چناں چہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی معرفت رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ اس موقعے پر میرے لیے کیا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کے تحائف قبول کر لو اور ان کو اپنے گھر میں مہمان رکھو۔

حضورؐ سے اجازت ملنے پر انھوں نے والدہ کو اپنے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور ان کے تحفے قبول کر لیے۔

حضرت اسماءؓ کمال درجے کی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ کثرتِ عبادت کی وجہ سے ان کے تقدس کا عام شہرہ ہو گیا تھا اور طرح طرح کے مریض ان کے پاس دعائے خیر کرانے آتے تھے۔ اگر کوئی بخار کا مریض ان کے پاس آتا تو اس کے لیے دعا کرتیں اور پھر اس کے سینے پر پانی

چھڑکتیں، اللہ تعالیٰ اسے شفا دے دیتا۔ فرمایا کرتی تھیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بخار نارِ جہنم کی گرمی ہے۔ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔''

سرورِ کونین ﷺ کا ایک جبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تحویل میں تھا جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے یہ جبۂ مبارک حضرت اسماءؓ کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے اسے سر آنکھوں پر رکھا اور جب تک زندہ رہیں اسے اپنی جان کے ساتھ رکھا۔ اگر کبھی گھر میں کوئی علیل ہو جاتا تو اس جبہ مبارک کو دھو کر اس کا پانی مریض کو پلا دیتی تھیں۔ اس کی برکت سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔ خود حضرت اسماءؓ کو کبھی دردِ سر ہوتا تو اپنے سر کو ہاتھ میں پکڑ کر کہتیں۔ ''الٰہی اگرچہ میں بہت خطا کار ہوں لیکن تیری رحمت اور فضل بے پایاں ہے۔'' اللہ تعالیٰ انھیں آرام دے دیتا۔

ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔ متعدد صحابیات جن میں حضرت اسماءؓ بھی شامل تھیں، آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ حضورؐ نے نماز کو کئی گھنٹے طول دیا۔ حضرت اسماءؓ کی طبیعت کچھ کم زور تھی تھک کر چور چور ہو گئیں لیکن بڑے استقلال سے کھڑی رہیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو غش کھا کر گر پڑیں۔ چہرے اور سر پر پانی چھڑکا گیا تو ہوش میں آئیں۔

صحیح بخاری میں خود حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ:

''ایک دفعہ سورج کو گرہن لگا تو میں عائشہ زوج النبی ﷺ کے ہاں گئی۔ وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور عائشہؓ بھی نماز میں مشغول تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا، لوگوں کو کیا ہوا؟ انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا، سبحان اللہ۔ میں نے پوچھا، یہ خدائی نشان ہے؟ انھوں نے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔ چناں چہ میں بھی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ (نماز اتنی طویل ہوئی کہ تھکاوٹ کے مارے) مجھے غش آ گیا اور بعد میں اپنے سر پر میں نے پانی ڈالا۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا، میں نے ابھی جو کچھ دیکھا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ دوزخ اور جنت بھی میرے مشاہدے میں آئے۔ مجھے بتایا گیا کہ تم لوگ قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے، جیسا کہ فتنۂ دجال کے موقعے پر تمھاری آزمائش ہو گی۔ فرشتے تم میں سے ہر ایک کی طرف آئیں گے اور (میری صورت دکھا کر) پوچھیں گے، کیا تم ان کو جانتے ہو؟ مومن جواب دے گا، یہ محمد رسول اللہ ہیں، جو

ہماری طرف واضح حق اور ہدایت کے ساتھ آئے۔ ہم ان پر ایمان لائے اور ان کی متابعت کی۔ پس فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اب چین کی نیند سو جاؤ کیوں کہ ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم مؤمن ہو۔ اس کے برعکس ایک منافق یا شک رکھنے والا آدمی جواب دے گا کہ مجھے معلوم نہیں لیکن میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا اور میں نے بھی (ان کے دیکھا دیکھی) اسی طرح کہہ دیا (پس وہ فرشتوں کے عتاب کی زد میں آ جائے گا)۔''

حضرت اسماءؓ نے اپنی زندگی میں کئی حج کیے۔ صحیحین میں ہے کہ انھوں نے پہلا حج سرورِ عالم ﷺ کے ساتھ کیا تھا اور اس کی ذرا ذرا تفصیل ان کو یاد تھی۔ حضورؐ کے وصال کے بعد ایک دفعہ حج کے لیے گئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ چاند ڈوبنے کے بعد رمی کے لیے گئیں اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔ غلام نے جو ساتھ تھا کہا، آپ نے بڑی جلدی کی ہے، فرمایا، حضورؐ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ جب حجون سے گزرتیں تو فرماتیں کہ ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں یہاں ٹھہرے تھے۔ اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا۔ ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا۔

حضرت اسماءؓ بہت نڈر اور شجاع تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد وہ اپنے شوہر اور فرزند کے ساتھ شام کے میدانِ جہاد میں تشریف لے گئیں اور کئی دوسری خواتین کی طرح یرموک کی ہول ناک لڑائی میں جنگی خدمات انجام دیں۔

حضرت سعید بن عاصؓ کے دورِ امارت میں مدینہ منورہ میں بہت بدامنی پھیل گئی اور کثرت سے چوریاں ہونے لگیں۔ اس زمانے میں حضرت اسماءؓ اپنے سرہانے خنجر رکھ کر سویا کرتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا، آپ ایسا کیوں کرتی ہیں تو جواب دیا، اگر کوئی چور یا ڈاکو میرے گھر آئے گا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔

حضرت اسماءؓ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا قوی حافظہ عطا کیا تھا اور وہ کبھی کبھی اپنے بچپن اور جوانی کے واقعات بڑی صحت کے ساتھ بیان کرتی تھیں۔ ''واقعۂ فیل'' تاریخ کا مشہور واقعہ ہے اور اس کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے۔ اس واقعے میں یمن کے حبشی حاکم ابرہہ نے ایک جرار لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ پر فوج کشی کی تھی اس کے لشکر میں ''محمود'' نامی ایک دیو پیکر ہاتھی اور چند دوسرے (سات آٹھ یا بہ روایت بارہ) ہاتھی بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لشکر پر ابابیلوں

کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے جو "اصحاب فیل" پر کنکریاں برسانے لگے اور آن کی آن میں ان کو کھائے ہوئے بھوسے (عصفٍ مأکول) کی مانند کر کے رکھ دیا۔ خدا کی قدرت اس لشکر میں سے دو فیل بان (ایک مہاوت اور ایک چرکٹا یعنی ہاتھی کے لیے چارہ لانے والا) کسی طرح بچ گئے لیکن ان کی زندگی موت سے بھی بدتر تھی کیوں کہ وہ اندھے اور لنجے ہو گئے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نشانِ عبرت بنانے کے لیے زندہ چھوڑ دیا۔ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ میں نے ان دونوں لنجے فیل بانوں کو اِساف اور نائلہ (بتوں) کے پاس بیٹھے دیکھا ہے کہ بھیک مانگا کرتے تھے۔

سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ کے چچا زاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل العدوی القرشی ان مستقیم الفطرت انسانوں میں تھے، جو کفر و شرک کے ظلمت کدہ (جاہلی عرب) میں توحید کے علم بردار تھے۔ انھیں حضورؐ کی بعثت سے پانچ سال قبل کسی نے بلادِ لخم میں قتل کر ڈالا تھا، ایک مرتبہ ان کی سرورِ عالم ﷺ سے ملاقات بھی ہوئی تھی اور حضورؐ ان کے عقیدۂ توحید اور محاسنِ اخلاق کے مداح تھے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ، زید کے فرزند حضرت سعیدؓ (جو اصحابِ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کے ساتھ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ زید کے خیالات کا آپ کو علم ہے کیا ہم ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ زید بن عمرو کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم کرے ان کی وفات دینِ ابراہیمؑ پر ہوئی۔"

ایک اور روایت میں زید کے بارے میں سرورِ عالم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔

حضرت اسماءؓ نے لڑکپن میں زید کو دیکھا تھا اور ان کے محاسنِ اخلاق کا اچھی طرح مشاہدہ کیا تھا، صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا، کعبہ کی دیوار کا سہارا لیے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے، اے گروہِ قریش واللہ میرے سوا تم میں سے کوئی دینِ ابراہیمؑ پر نہیں ہے۔ وہ موؤدہ کو جلا لیتے تھے (یعنی زندہ رکھتے تھے) جب کوئی شخص

اپنی لڑکی کو مارنا چاہتا تھا تو وہ کہتے تھے اسے مت قتل کرو میں اس کا بار اٹھاؤں گا۔ یہ کہہ کر لے جاتے تھے۔ جب جوان ہو جاتی تھی، اس کے باپ سے کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو اس کو لے جا سکتے ہو ورنہ میرے پاس رہنے دو میں اس کے اخراجات برداشت کروں گا۔

(۷)

طویل عرصے کی ازدواجی زندگی کے بعد حضرت اسماءؓ کی زندگی میں ایک افسوس ناک واقعہ رونما ہوا یعنی حضرت زبیر بن العوامؓ نے انھیں طلاق دے دی۔ مؤرخین نے طلاق کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں لیکن اصل سبب اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قیاسِ غالب یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ کے درمیان بعض خانگی معاملات میں اختلاف کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی۔ حضرت زبیرؓ کے مزاج میں کچھ درشتی تھی۔ ایک دن کسی بات پر غصے میں آ گئے اور حضرت اسماءؓ کو زدوکوب کرنا چاہا۔ ان کے بڑے فرزند عبداللہؓ اتفاق سے گھر میں موجود تھے۔ حضرت اسماءؓ نے ان سے مدد چاہی۔ حضرت زبیرؓ نے عبداللہؓ کو دخل اندازی سے منع کیا اور کہا کہ اگر تم نے اپنی ماں کی حمایت کی تو اسے طلاق ہے۔ حضرت عبداللہؓ کو گوارا نہ ہوا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے والدہ کو تشدد کا شکار ہوتا دیکھیں، آگے بڑھے اور ان کا بازو حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ کے درمیان ہمیشہ کے لیے علیٰحدگی ہو گئی اور حضرت اسماءؓ مستقل طور پر فرزندِ اکبر حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔ وہ اپنی والدہ کے بے حد خدمت گزار تھے اور زندگی کے آخری سانس تک ان کے کفیل رہے۔

حضرت اسماءؓ بڑی فراخ حوصلہ اور نیک دل خاتون تھیں۔ حضرت زبیرؓ سے علیٰحدگی کے بعد بھی وہ انھیں ہمیشہ عزت و احترام سے یاد کرتی تھیں اور ان کی خوبیوں کی مدح و توصیف کیا کرتی تھیں۔

۳۶ ہجری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے درمیان "جنگِ جمل" کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت زبیرؓ اس جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے لیکن جب لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے انھیں رسولِ اکرم ﷺ کا ایک ارشاد یاد دلایا تو وہ میدانِ جنگ سے کنارہ کش ہو کر پلٹ پڑے۔ واپسی کے سفر میں

وادیِ سباع میں پہنچے اور نماز پڑھتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے تو ایک شخص عمرو بن جرموز نے انھیں شہید کر دیا۔ حضرت اسماءؓ کو ان کی شہادت کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے اس موقعے پر یہ اشعار کہے۔ (ترجمہ)

ابن جرموز نے لڑائی کے دن ایک بلند ہمت شہسوار سے دغا کی جب کہ وہ نہتا اور بے سروسامان تھا۔

اے عمرو اگر تو اپنے ارادے سے زبیرؓ کو پہلے مطلع کر دیتا تو تو ان کو ایک نڈر اور بے خوف شخص پاتا۔

خدا تجھے غارت کرے تو نے ایک مسلمان کو (ناحق) قتل کیا۔ خدا کا عذاب تجھ پر ضرور نازل ہوگا۔

یہ اشعار درالمنثور میں حضرت اسماءؓ سے منسوب کیے گئے ہیں لیکن علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ اشعار حضرت زبیرؓ کی ایک دوسری بیوی حضرت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیلؓ نے کہے ہیں، جو شعروشاعری میں کافی درک رکھتی تھیں۔ اس کے برعکس حضرت اسماءؓ کے شعروشاعری میں درک رکھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بہرصورت اس بات پر سب اہلِ سیَر کا اتفاق ہے کہ حضرت زبیرؓ کی شہادت پر حضرت اسماءؓ نے سخت غم واندوہ کا اظہار کیا۔

(۸)

حضرت اسماءؓ کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تاریخِ اسلام میں بڑی اہم شخصیت کے مالک ہیں۔ امام حسینؓ کی المناک شہادت کے بعد انھوں نے بنی امیّہ کی قاہر طاقت کا، جس استقامت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو امام حسینؓ کے رفقاء جیسے چند ساتھی مل جاتے تو وہ بنی امیّہ کی سلطنت کا تختہ الٹ کر رکھ دیتے اور خلافتِ راشدہ کا نقشہ قائم کر دیتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ اس موقعے پر حضرت اسماءؓ نے جس حق پرستی، بے خوفی، صبر ورضا اور جرأتِ ایمانی کا ثبوت دیا وہ ان کی کتابِ زندگی کا ایک تابناک ورق ہے۔ ۳۰ھ یا ۳۱ھ سے حضرت اسماءؓ شوہر سے علیٰحدگی کے بعد مستقل طور پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس رہتی تھیں۔

حضرت عبداللہؓ ان کی بے حد تعظیم اور خدمت کرتے تھے اور اپنی شہادت ۷۳ ہجری تک انھوں نے مسلسل اپنی ضعیف العمر ماں کی اطاعت اور رضاجوئی کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا۔ حضرت اسماءؓ بھی اپنے سعادت مند فرزند کے لیے ہر وقت دعاگو رہتی تھیں۔ یہ انھی کی تربیت کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ علم وفضل، زہد واتقا، حق گوئی، شجاعت اور بے خوفی کا ایک مثالی پیکر بنے۔ امام حسینؓ کی طرح انھوں نے بھی مرتے دم تک یزید کی بیعت نہ کی اور پھر اس کی موت کے بعد بھی اس کے جانشینوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے ۶۶ ہجری میں عراق اور حجاز وغیرہ کے لوگوں نے انھیں متفقہ طور پر اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ ۷۳ ہجری تک انھوں نے مکہ معظّمہ میں اپنا علَمِ خلافت بلند رکھا۔ ان چھ سالوں میں انھیں بیک وقت دو محاذوں پر لڑنا پڑا۔ ایک طرف مختار بن ابی عبید ثقفی کی زبردست جماعت تھی اور دوسری طرف بنوامیّہ کی قاہر قوّت۔ وہ بڑے عزم اور حوصلے کے ساتھ ان دونوں محاذوں پر لڑتے رہے۔ جب عبدالملک بن مروان مسندِ حکومت پر بیٹھا تو اس نے تہیّہ کر لیا کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو ختم کر کے رہے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے ایک آزمودہ کار جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کو مقرّر کیا۔

حجاج بن یوسف نے ایک زبردست فوج کے ساتھ یکم ذی الحجہ ۷۲ھ کو مکہ معظّمہ کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بے مثال استقامت دکھائی اور چھ ماہ تک اموی فوج کو مکہ معظّمہ پر قابض نہ ہونے دیا۔ حجاج نے محاصرے میں اتنی سختی برتی کہ مکہ میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے بیت اللہ کی عزت وحرمت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور جبل بوقبیس پر منجنیقیں نصب کر کے ان سے کعبۃ اللہ پر لگاتار پتھر برسائے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پتھروں کی بارش میں بھی اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے کہ کبوتر ان کے کندھوں اور سر پر آ آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ محاصرے کی شدّت اور خوراک کی قلت سے تنگ آ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اکثر ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ کر حجاج بن یوسف سے جا ملے حتیٰ کہ ان کے فرزندوں نے بھی بے وفائی کی اور حجاج کے پاس جا کر امان کے طالب ہوئے لیکن اس بہتّر سال کے بڈھے شیر نے بنوامیہ کے اقتدار کو تسلیم نہ کرنے کا حلف اٹھا رکھا تھا۔ اثنائے محاصرہ میں ایک دن حضرت اسماءؓ کی مزاج پرسی کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ کچھ علیل تھیں۔ گفتگو کے دوران میں حضرت عبداللہؓ کے منہ سے نکل گیا۔ ''اماں جان موت میں بڑی راحت ہے'' بولیں ''شاید تم کو میرے مرنے کی

آرزو ہے (کہ ضعیف العمری کے دکھوں سے نجات پا جاؤں) لیکن بیٹے میں تمھارا انجام دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں تا کہ اگر تمھیں شہادت نصیب ہو تو اپنے ہاتھوں سے تمھارا کفن دفن کروں اور اگر تم فتح پاؤ تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔" اس واقعے کے دس دن بعد جب گنتی کے صرف چند ساتھی رہ گئے تو وہ آخری بار حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"اماں جان! میرے ساتھیوں نے بے وفائی کی ہے اب سوائے چند جاں نثاروں کے کوئی بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے، اگر ہتھیار ڈال دوں تو ہوسکتا ہے کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو امان مل جائے۔"

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا:

"اے میرے فرزند! اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر رتبۂ شہادت پر فائز ہو جاؤ اور کسی قسم کی ذلت برداشت نہ کرو۔ اور اگر یہ تمھارا کھکھیڑ دنیا طلبی کے لیے تھا تو تم سے برا کوئی شخص نہیں، جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔"

ایک اور روایت میں حضرت اسماءؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

"بیٹا! قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا، جس میں تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے۔ خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا۔ "اماں جان میں حق و صداقت کے لیے لڑا اور حق و صداقت کے لیے ساتھیوں کو لڑایا۔ اب آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

"بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کی بے وفائی کے سبب دشمنوں سے دب جانا شریفوں اور دین داروں کا شیوہ نہیں۔"

ابنِ زبیرؓ نے عرض کیا:

"اماں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا صرف یہ خیال ہے کہ میری موت کے بعد دشمن میری لاش کا مثلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے، جس سے آپ کو رنج ہوگا۔"

صدیقِ اکبرؓ کی جلیل القدر بیٹی نے فرمایا:

"بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے کیے جائیں، اسے کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسا کر کے اپنا کام کیے جاؤ، راہِ حق میں تلواروں سے قیمہ ہونا گم راہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ موت کے خوف سے غلامی کی ذلت کبھی قبول نہ کرنا۔"

اپنی عظیم ماں کے حوصلہ افزا کلمات سن کر ابنِ زبیرؓ پر رقت طاری ہوگئی اور فرطِ محبت و عقیدت سے انھوں نے اپنی والدہ کا سر چوم لیا۔ پھر عرض کیا:

"اماں جان! میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راہِ حق میں مردانہ وار لڑ کر جان دے دوں لیکن آپ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا تا کہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج و غم نہ کریں۔ الحمدللہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم اور راضی بہ رضا پایا۔ آپ کی باتوں نے میرا ایمان تازہ کر دیا ہے۔ آج میں ضرور قتل ہو جاؤں گا مجھے یقین ہے کہ میرے قتل کے بعد بھی آپ صبر و شکر سے کام لیں گی۔ خدا کی قسم میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آج تک میں نے جو کچھ کیا وہ سب حق کو سربلند کرنے کے لیے تھا۔ میں نے کبھی برائی کو پسند نہیں کیا۔ کسی مسلمان پر ظلم نہیں کیا۔ کبھی بدعہدی نہیں کی، کبھی امانت میں خیانت نہیں کی۔ اپنے عمال کا کڑا محاسبہ کیا اور اپنی حدودِ خلافت میں جہاں تک بن پڑا، عدل جاری کیا۔ لوگوں سے خدا اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرائی اور اعمالِ بد سے انھیں روکا۔ بخدا میں دین کے آگے دنیا کو ہیچ سمجھتا ہوں، اللہ کی رضا کے سوا مجھے کوئی شے مطلوب نہیں۔"

پھر آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا:

"الٰہی میں نے یہ باتیں فخر کی راہ سے نہیں کہیں بلکہ صرف اپنی والدہ محترمہ کی تسکین اور اطمینان کے لیے کہی ہیں۔"

حضرت اسماءؓ نے انھیں دعا دی اور فرمایا:

"بیٹے تم اللہ کی راہ میں جان دو، میں ان شاء اللہ صابر و شاکر رہوں گی اب آگے آؤ تا کہ آخری بار تمھیں پیار کر لوں۔"

عبداللہؓ آگے بڑھے، ضعیف العمر ماں نے اپنے لختِ جگر کو گلے لگایا اور ان کا منہ سر چوما۔ اس وقت حضرت عبداللہ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ حضرت اسماءؓ کا ہاتھ ان کی زرہ پر پڑا تو

پوچھا: ''بیٹے یہ تمھارے جسم پر کیا ہے؟'' عرض کیا: ''زِرہ ہے تاکہ دشمن کے حربوں سے بچاؤ ہو۔''

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

''بیٹے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لیے نکلتے ہو اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔''

حضرت عبداللہؓ نے اسی وقت زرہ اتار پھینکی، سر پر سفید رومال باندھ لیا اور ماں سے کہا: ''اماں جان اب میرے جسم پر معمولی لباس ہے۔'' حضرت اسماءؓ نے فرمایا: ''بیٹا اب میں خوش ہوں، جاؤ اللہ کے راستے میں لڑو اور اس کے ہاں اسی لباس میں جاؤ۔''

حضرت عبداللہؓ نے تلوار سونت لی اور رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے، کافی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے آخر زخموں سے چور چور ہو کر صدیق اکبرؓ کا یہ اولوالعزم نواسہ اور حضرت اسماءؓ کا لختِ جگر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔

ابنِ زبیرؓ کی شہادت کی خبر سن کر حجاج بن یوسف کو بڑی مسرت ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ ابنِ زبیرؓ کی لاش کو مقامِ حجون میں سولی پر الٹا لٹکا دیا جائے۔ حضرت اسماءؓ کو حجاج کی اس حرکت کا علم ہوا تو انھوں نے پیغام بھیجا کہ خدا تجھے غارت کرے تو نے میرے لختِ جگر کی لاش کو دار پر کیوں لٹکایا۔

حجاج نے جواب میں کہلا بھیجا: ''میں لوگوں کو ابنِ زبیرؓ کے انجام سے عبرت دلانا چاہتا ہوں۔''

حضرت اسماءؓ نے اسے پھر پیغام بھیجا کہ میرے بچے کی لاش میرے حوالے کر دو تاکہ میں اس کی تجہیز و تکفین کر سکوں۔

سنگ دل حجاج نے صاف انکار کر دیا۔

ابنِ زبیرؓ کی شہادت کے ایک دو دن بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مقامِ حجون سے گزر ہوا، ان کی لاش سولی پر لٹکتے دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے اور اس کے نیچے کھڑے ہو کر فرمایا:

''اے ابو خبیب السلام علیک۔ میں نے تم کو اس (سیاست) میں پڑنے سے منع کیا تھا۔ تم نمازیں پڑھتے تھے۔ روزے رکھتے تھے اور صلہ رحمی کرتے تھے۔''

شہادت کے تیسرے دن حضرت اسماءؓ ایک کنیز کے سہارے مقامِ حجون تشریف لے

گئیں۔ اتفاق سے اس وقت حجاج بھی وہاں گشت کر رہا تھا۔ حضرت اسماءؓ کو لوگوں نے حجاج کی موجودگی کی اطلاع دی تو انھوں نے فرمایا:

''کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔''

حجاج نے کہا: ''وہ ملحد تھا اس کی یہی سزا تھی۔''

حضرت اسماءؓ تڑپ اٹھیں، فرمایا:

''خدا کی قسم وہ ملحد نہ تھا بلکہ نماز گزار، روزہ دار اور متقی تھا۔''

حجاج نے جھلا کر کہا: ''بڑھیا یہاں سے چلی جاؤ، تمھاری عقل سٹھیا گئی ہے۔''

حضرت اسماءؓ نے بڑی بے باکی سے جواب دیا:

''میری عقل نہیں سٹھیا گئی۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک ظالم (سفاک) پیدا ہوگا، سو کذّاب (یعنی مختار بن ابو عبید ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ظالم (سفاک) تو ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حجاج نے سنا کہ ابنِ عمرؓ نے ابنِ زبیرؓ کی لاش کے نیچے کھڑے ہو کر ان کی تعریف کی ہے تو اس نے لاش کو اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دیا اور حضرت اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ انھوں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ حجاج نے کہلا بھیجا کہ میرے حکم کی تعمیل کرو ورنہ چوٹی پکڑ کر گھسٹواؤں گا۔

حضرت اسماءؓ نے جواب میں کہلا بھیجا: ''خدا کی قسم اس وقت تک نہ آؤں گی جب تک تو چوٹی پکڑ کر نہ گھسٹوائے گا۔''

حجاج اب مجبور ہو کر خود حضرت اسماءؓ کے پاس پہنچا اور دل آزارانہ لہجے میں کہنے لگا۔ ''اے ذات النطاقین سچ کہنا خدا کے دشمن کا انجام کیسا ہوا؟''

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

''ہاں تو نے میرے فرزند کی دنیا خراب کی لیکن اس نے تیری آخرت برباد کر دی ہے۔ میں نے سنا ہے تو میرے بیٹے کو طنزاً ابنِ ذات النطاقین کہتا تھا تو خدا کی قسم میں ذات النطاقین ہوں، میں نے ہی رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا توشہ دان اپنے نطاق سے باندھا تھا لیکن میں نے خود حضورؐ سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں ایک

کذّاب اور ایک سفّاک ہوگا۔ کذّاب کو ہم نے دیکھ لیا۔ سفّاک کا دیکھنا باقی تھا، سو وہ تو ہے۔"

حجاج حضرت اسماءؓ کی بے باکانہ گفتگو سن کر سکتے میں آ گیا اور کان دبا کر وہاں سے چل دیا۔

شبلی نعمانیؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا واقعۂ شہادت اور حضرت اسماءؓ کی جرأتِ ایمانی اور صبر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابنِ زبیرؓ
سب نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے یکبار

ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ
جس کی تقدیر میں تھا مرغانِ حرم کا شکار

حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابنِ زبیرؓ
فوجِ بے دین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار

دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد
بارشِ سنگ سے اٹھتا تھا جو اُڑ اُڑ کے غبار

تھا جو سامانِ رسد چار طرف سے مسدود
ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا ایک کنجِ مزار

جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا
ماں کی خدمت میں گئے ابنِ زبیرؓ آخر کار

جا کے عرض کی کہ اے اختِ حریمِ نبوی
نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار

آپ فرمائیے اب آپ کا ارشاد ہے کیا
کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرماں بردار

صلح کرلوں؟ کہ چلا جاؤں حرم سے باہر
یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار

بولیں وہ پردہ نشینِ حرمِ سرِ عفاف
حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار

یہ زمیں ہے وہی قرباں گہِ اسمٰعیلی
فدیۂ نفس ہے خود دینِ خلیلی کا شعار

ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے بآداب و نیاز
آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوگا زنہار

پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں
جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطار

منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم
ایک پتھر نے کیا آ کے سرو رخ کو فگار

خون ٹپکا جو قدم پہ تو کہا از رہِ فخر
یہ ادا وہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار

اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم
خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پہ ہر بار

زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک
آخر الامر گرے خاک پہ مجروح و نزار

لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار

لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار

اتفاقات سے اک دن جو ادھر جا نکلیں
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یک بار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

حضرت اسماءؓ جب حجاج بن یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئیں اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ ان کے لختِ جگر کی لاش ان کے حوالے نہیں کرے گا تو انھوں نے کسی ذریعے سے عبدالملک کو دمشق پیغام بھجوایا۔ ایک روایت میں ہے کہ ابنِ زبیرؓ کے بھائی عروہ بن زبیرؓ محاصرۂ مکہ کے دوران میں آخر وقت تک ان کے ساتھ تھے۔ جب عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے اور حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوا دی تو وہ مکہ سے پوشیدہ طور پر عبدالملک کے پاس دمشق پہنچے۔ وہ عروہؒ سے بڑی محبت اور تکریم سے پیش آیا اور تخت پر اپنے پاس جگہ دی، عروہؒ نے اسے مکہ کے سارے حالات بتائے اور اس سے درخواست کی کہ حجاج ابنِ زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم بھیجے۔ عبدالملک نے اسی وقت حجاج کو ایک غضب آلود خط لکھا، جس میں اس کی حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور حضرت ابنِ زبیرؓ کی لاش فوراً حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ عبدالملک کا خط پہنچنے پر حجاج نے ابنِ زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے کر دی۔

ابن ابی ملیکہؒ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ میں سب سے پہلا شخص تھا، جس نے حضرت اسماءؓ کو ابنِ زبیرؓ کی لاش ان کے حوالے کیے جانے کی بشارت دی۔ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ اسے غسل دو۔ لاش کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا، ہم ایک ایک حصۂ بدن کو غسل دے کر کفن میں لپیٹتے جاتے تھے۔ جب سارے اعضاء کا غسل ہو چکا تو حضرت اسماءؓ نے اپنے لختِ جگر کے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر ہم نے جنازہ پڑھ کر ابنِ زبیرؓ کو مقامِ حجون میں سپردِ خاک کر دیا۔ اس سے پہلے حضرت اسماءؓ فرمایا کرتی تھیں کہ الٰہی مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میں اپنے فرزند کا جثہ کفنا دفنا کر مطمئن نہ ہو جاؤں۔ اس واقعے کے سات دن (یا بعض روایتوں کے مطابق بیس دن یا سو دن) کے بعد حضرت اسماءؓ نے بھی پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ وفات کے وقت ان کی عمر سو برس کے لگ بھگ تھی لیکن سارے دانت سلامت تھے اور ہوش و حواس بالکل درست تھے۔ قد دراز اور جسم فربہ تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اخیر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی اس لیے عبداللہ بن زبیرؓ کا واقعۂ شہادت بہ چشمِ خود نہیں دیکھا بلکہ ٹٹول ٹٹول کر یا پوچھ پوچھ کر ہر کیفیت سے آگاہ ہوتی تھیں۔

حضرت زبیرؓ سے حضرت اسماءؓ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں عطا کی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں: عبداللہؓ، عروہؒ، منذرؒ، مہاجرؒ، عاصمؒ۔ خدیجۃ الکبریٰؓ، امّ الحسنؓ اور عائشہؒ۔

ان میں سے حضرت عبداللہؓ اور عروہؒ نے تاریخ میں لازوال شہرت حاصل کی۔

حضرت اسماءؓ علم و فضل کے اعتبار سے بھی بڑا اونچا درجہ رکھتی تھیں۔ ان سے چھپن ۵۶ احادیث مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، عروہ بن زبیرؓ، ابوبکر عباد و عامر پسرانِ عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عروہؒ، عبداللہ بن کیسانؒ، فاطمہ بنتِ منذر بن زبیر، محمد بن منکدرؒ، ابن ابی ملیکہؒ، وہب بن کیسانؒ، مطلب بن حنطبؒ، ابونوفل ابن ابوعقربؒ، مسلم معریؒ، صفیہ بنتِ شیبہ اور عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر شامل ہیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنی طویل زندگی میں زمانے کے بے شمار نشیب و فراز دیکھے وہ تاریخِ اسلام کی ان معدودے چند ہستیوں میں سے ہیں، جنھوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا اور پورا دورِ رسالت اور خلفائے راشدین کا عہدِ باسعادت بھی دیکھا، اپنے عظیم المرتبت فرزند کا دورِ عروج بھی دیکھا اور ان کی المناک شہادت کا منظر بھی دیکھا۔ ان پر بارہا مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے لیکن انھوں نے ہر موقعے پر بے پناہ عزم و استقلال اور جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا۔ بلاشبہ وہ تاریخِ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہیں اور ان کا درخشندہ و تابندہ کردار مسلمانوں کے لیے تاابد مشعلِ راہ بنا رہے گا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا